تربیتی کہانیاں

حصہ دوم

مائل خیرآبادیؒ

گزارش

چھوٹے بچّوں کی تربیت جتنی ضروری ہوتی ہے اتنی ہی توجہ طلب بھی ہے۔
چھوٹے بچّوں کا تعلق زیادہ تر اپنی ماں سے رہتا ہے۔ اور ہمارے معاشرے میں بیشتر مائیں تعلیم یافتہ نہیں ہیں اور جو کچھ شُد بُد جانتی بھی ہیں انھیں بچّوں کو تربیت دینے کا طریقہ معلوم نہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ بچّے وہ کچھ سنتے اور سیکھتے ہیں جو انھیں ماحول سکھاتا ہے۔

ہمارے بچپن میں گھر کی بڑی بوڑھیاں دادی امّاں یا نانی امّاں بھوتوں اور چڑیلوں کے قصّے، سوتیلی ماؤں کے مظالم کی کہانیاں اور ایسی داستانیں سنایا کرتی تھیں جن کو سن کر ہمارے ذہن سنورنے کے بجائے بگڑتے رہتے تھے۔ ایسی باتیں بچّوں کے سامنے کبھی پیش نہیں کرنا چاہیئے۔

ایک عرصہ سے ہم نے خواتین اور طالبات کے پاکیزہ ماہنامہ "حجاب" رامپور میں اچھی کہانیوں کا سلسلہ سروع کیا ہے۔ یہ کہانیاں بچّے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ اور جو نہیں پڑھ سکتے وہ دل لگا کر سنتے ہیں۔ بچّوں کی ماؤں کو چاہیئے کہ وہ رات کے وقت جب دن کے کاموں سے فارغ ہو جاتی ہیں، یہ تربیتی کہانیاں بچّوں کو اس طرح سنائیں جیسے باتیں کی جاتی ہیں۔ نمونہ کے طور پر یہ تربیتی کہانیاں دیکھئے اور اپنے بچّوں کو سنا کر تجربہ کیجئے۔ کہانی کے ساتھ کہانی کہنے اور بیچ بیچ میں بچّوں کے ذہنوں کو سنوارنے اور ان کی علمی لیاقت بڑھانے کا طریقہ بھی بتا دیا گیا ہے۔
بچّوں کو کہانی سنانے کے لئے ایسی کہانی چُنی جائے جس کو سُن کر بچّوں کا دل نیکی کرنے کو چاہے۔

(مائل خیرآبادی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایثار

امیّ جان کہانی سنانے کے لئے تیار بیٹھی تھیں۔ بس شوکت میاں کا راستہ دیکھ رہی تھیں کہ وہ آئیں تو کہانی کہنے لگیں اور شوکت میاں تھے کہ اپنے کمرے میں بیٹھے معنی یاد کر رہے تھے۔ ایثار معنی قربانی، ایثار معنی قربانی، ایثار معنی قربانی۔

آخر ہم سب سے نہ رہا گیا۔ سب سے پہلے سدّو میاں نے کہا۔ "امیّ جان، شوکت بھائی آئیں چاہے نہ آئیں، آپ کہانی سنایئے۔" پھر مدّو نے کہا۔ اس کے بعد صفّو، رفّو اور پھر گلّو بی اور گڈّو بی نے بھی کر کہا!

"اے امیّ دان، آپ کیئے بی کیانی!"

امیّ جان نے شوکت میاں کو پکارا۔

"آیا، امیّ جان" اور یہ کہہ کر وہ آ گئے۔ امیّ جان نے پوچھا۔

"کیا یاد کر رہے تھے؟"

"معنی!"

"کس لفظ کے معنی؟"

"ایثار کے معنی۔"

"تو سمجھ گئے ایثار کسے کہتے ہیں؟"

"جی ہاں، ایثار کے معنی قربانی!"

"کیا مطلب؟"

مطلب وَطلب تو میں جانتا نہیں۔ ماسٹر صاحب نے یہی معنی لکھا دیئے، وہی میں نے رٹ لئے۔"

"لفظ کے بدلے لفظ رٹ لینے سے معنی سمجھ میں نہیں آتے۔ لو، میں سمجھاتی ہوں۔"

امیّ جان سے یہ سنا تو ہم سب نے کہا، "امیّ جان! شوکت میاں کو پھر پڑھایئے گا۔ ہمیں تو کہانی سنایئے نہیں تو ہم جا کر سوتے ہیں۔" یہ کہہ کر صفّو باجی اٹھنے کو تھیں کہ امیّ جان نے کہا: کہانی کہہ کر ہی تو سمجھاؤں گی۔ بڑے مزے کی ہے کہانی اور پھر سچّی کہانی!"

"سچّی کہانی!" ہم سب چپ ہو کر بیٹھ گئے اور امیّ جان کا منہ تکنے لگے۔ امیّ جان نے اس طرح کہانی شروع کی:۔

"ہمارے بزرگوں میں ایک بزرگ تھے، حضرت واقدیؒ۔ واقدیؒ بہت بڑے عالم تھے۔ ان کو ہزاروں حدیثیں یاد تھیں۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو بہت محبت تھی۔ اسی لیئے وہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ کی پیاری باتوں پر عمل کرتے تھے۔

"عمل؟ عمل کے کیا معنی ہیں امیّ جان!" شوکت میاں نے پوچھا۔ "عمل کے معنی ہیں اچھی باتیں کرنا۔ جیسے حضورؐ نے کوئی کام کرنے کو کہا ویسے ہی کرنا۔

اچھا تو واقدیؒ حدیثوں پر عمل کرتے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ پیارے نبیؐ دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچا دیا کرتے تھے چاہے اپنے آپ گھاٹے میں رہیں۔"

"ارے وا! بڑے اچھے تھے پیارے نبیؐ" صفّو باجی نے کہا' اور ہم سب جھومنے لگے۔

"اسی کو تو ایثار کہتے ہیں۔ اپنے فائدے کو چھوڑ کر دوسروں کو فائدہ پہنچانا۔"

"لیکن سنیئے تو امیّ جان! یہ کہانی کب ہوئی؟ آپ نے تو کہانی سنانے کو کہا تھا۔" سعید میاں اور رفّو نے ایک ساتھ کہا۔

"حضرت واقدیؒ بڑے فیاض تھے۔"

"فیاض معنے؟" شوکت میاں نے پوچھا۔

"اوہ، ان کو تو آج معنے یاد کرنے کی دھن ہے۔" ہم سب جھنجھلا گئے۔

فیاض کے معنی اللہ کی راہ میں خوب ہی خیرات کرنے والے۔ دوسروں کو بڑی بڑی رقم دینے والے۔ واقدیؒ ایسے ہی تھے۔ وہ جو کچھ کماتے سب ضرورت والے لوگوں کو

دے دیتے۔ گھر میں بس یوں ہی پیسہ لاتے۔

اچھا تو ایک بار عید قریب آئی۔ گھر میں تو کچھ رہتا نہ تھا۔ بیوی نے کہا:

"سنتے ہو۔ عید آرہی ہے!"

"ہاں ہاں، مجھے معلوم ہے!"

"معلوم کیا ہے، بچّوں کے پاس کپڑے نہیں ہیں۔ وہ سب رو رہے ہیں۔" اور یہ کہہ کر بیوی نے ذرا سختی سے کہا کہ ان کے لیئے نئے کپڑے بنوا دو، نہیں تو عید کے دن سب خوشی منا رہے ہوں گے اور ہمارے گھر رونا پڑا ہوگا۔

یہ سُن کر واقدیؒ کو بھی خیال آیا۔ مگر جیب میں ننھّا پیسہ بھی نہ تھا۔ سوچنے لگے کیا کریں۔ سوچتے سوچتے یاد آیا۔ ان کا ایک دوست سوداگر بڑا مالدار ہے۔ بس دل میں کہا۔

"چلو اس سے کچھ رقم لے آئیں۔"

یہ سوچ کر چلے۔ سوداگر کے گھر پہونچے۔ اس سے ملے۔ سلام علیک کے بعد بیٹھے۔ سوداگر نے حال پوچھا۔ واقدیؒ نے سارا حال کہا۔

اس وقت سوداگر کے سامنے پیسوں سے بھری تھیلی رکھی تھی۔ اسی وقت دوکان سے آئی تھی۔ اس نے کہا:۔

"بھائی لو، یہ تھیلی لے جاؤ۔"

حضرت واقدیؒ تھیلی لے کر چلے۔ اب دیکھو کہانی میں مزہ آئے گا۔ گھر آئے۔ بیوی کو تھیلی دی۔ اتنے میں ان کا ایک دوست ہاشمی آگیا۔ وہ بہت پریشان تھا۔ اس نے بتایا کہ اس وقت رقم کی سخت ضرورت ہے گھر کی دیوار گر گئی ہے۔ بڑی بے پردگی ہو رہی ہے۔

یہ سُنا تو واقدیؒ نے بیوی سے کہا۔ "تھیلی میں سے آدھی رقم رکھ لو۔ آدھی ہاشمی صاحب کو دے دو۔"

اب دیکھو ایک مزے کی بات، بیوی تھی بڑی نیک۔ اس نے کہا۔ "آپ عام آدمی

آپ کا دوست سوداگر عالم نہیں مگر اس نے پوری تھیلی دے دی اور آپ یہ ایثار نہیں کر سکتے!،،

"تو کیا کروں؟،،

"پوری تھیلی ہاشمی صاحب کو دید یجیے۔ اللہ مالک ہے۔،،

واقدیؒ نے تھیلی ویسی کی ویسی ہاشمی صاحب کو دیدی اور پھر ویسے کے ویسے رہ گئے۔

"کیا کہانی ختم ہوگئی؟،، صفّو نے کہا۔

"یہ کہانی تو کچھ زیادہ مزیدار نہیں۔ رفّو نے کہا۔

"کوئی اور کہانی سنایئے۔ سعید میاں بولے۔

"ابھی تو کہانی باقی ہے۔ سنو تو مزہ تو اب آئے گا،، امّی نے کہا۔ اچھّا بھئی وہ ہاشمی صاحب تھیلی لے کر چلے۔ کچھ ہی دور چلے تھے کہ راستے میں وہی سوداگر ملا جس سے واقدیؒ تھیلی لائے تھے۔ یہ سوداگر ہاشمی صاحب کا بھی دوست تھا۔ راستے میں سلام علیک ہوئی۔ ایک نے دوسرے کا حال پوچھا۔ سوداگر نے بتایا "میرا مال آیا پڑا ہے، اسے لینے جانا ہے۔ لیکن رقم کی سخت ضرورت ہے بہت پریشان ہوں۔ اگر آج مال نہ اٹھایا تو دوسرے کے ہاتھ بِک جائے گا۔،،

"اچھا یہ بات ہے!،، ہاشمی صاحب نے کہا اور وہ تھیلی سوداگر کو دے دی۔،،

"واہ واہ وا،، ہم سب کہنے لگے۔ یہ خوب رہی۔ تھیلی ویسی کی ویسی پھر سوداگر کے پاس پہونچ گئی۔،،

"اور دیکھئے تو سب نے ایثار کیا۔،، شوکت میاں بولے۔

"پھر کیا ہوا امّی جان!،،

"پھر یہ ہوا کہ واقدیؒ بغداد میں رہتے تھے۔ بغداد کے بادشاہ کا ایک وزیر تھا۔ وزیر واقدیؒ کی بڑی عزّت کرتا تھا۔ وہ بھی بڑا فیاض تھا۔ اس نے یہ مزیدار واقعہ سنا۔

"واقعہ؟ واقعہ کے معنی؟،، شوکت میاں نے پوچھا۔ انھیں تو آج کہانی سننا ہی نہیں، معنی یاد کرنا تھے نا ہم سب نے کہا۔

"واقعہ کے معنی جو بات ہوئی ہو سچّی سچّی! امّی جان نے سمجھایا۔ اس کے بعد آگے سُنانے لگیں۔

وزیر نے واقدیؒ کو بلایا۔ عزّت سے بٹھایا۔ حال پوچھا۔

واقدیؒ نے الحمدللہ کہا یعنی اللہ کا شکر ادا کیا۔

وزیر نے کہا۔ "میں نے آج آپ کے ایثار کا قصّہ سُنا ہے۔

"وہ ٹھیک ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔"

"وزیر صاحب نے یہ سُنا تو ایک ایک ہزار کی دس تھیلیاں دیں اور کہا کہ دو دو ہزار تو آپ تینوں دوست لے لیں۔ باقی رہے چار ہزار، یہ چار ہزار اسے دیں جس نے سب سے زیادہ ایثار کیا ہو۔

واقدیؒ سوچنے لگے کہ کس نے سب سے زیادہ ایثار کیا۔ اُن کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو وزیر سے کہا۔

بھئی، ہم سب نے برابر کا ایثار کیا۔"

"چوتھا شخص کون؟" واقدیؒ نے پوچھا۔

"وہ ہیں آپ کی بیوی۔ انھوں نے سب سے زیادہ ایثار کیا۔ ایک ماں کو بچّوں سے جو مُحبّت ہوتی ہے، وہ آپ جانتے ہیں۔ انھوں نے بچّوں کی پروا نہیں کی۔ یہ چار ہزار ان کو جا کر دیجیے۔

واقدیؒ خوش خوش گھر آئے۔ سب کو حصّہ دیا اور پھر خوشی سے عید منائی۔

کہانی ختم۔ ہم سب ایثار کے معنی اچھّی طرح سمجھ گئے۔ امّی جان نے کہا: کل ایثار کی دوسری کہانی سُناؤں گی۔

"اچھا" ہم نے کہا اور اپنی اپنی جگہ سو رہے۔

تین زخمی

آج ہم سب جلدی ہی پہونچ گئے۔ ایثار والی دوسری کہانی سننا تھی نا! اس لیئے۔

امّی جان بہت خوش ہوئیں۔ کسی کو پکارنا نہیں پڑا اُن کو۔ اِسی لیئے تو خوش ہوئیں وہ۔

ہم سب نے جا کر کہا۔" امّی جان ایثار والی دوسری کہانی سنائیے"

"بھئی، مزہ تو جب ہے کہ ایسی کہانیاں سنو اور پھر ویسا ہی کرو۔ اللہ بھی خوش ہو، اللہ کا رسول بھی خوش ہو اور اپنا دل بھی"

"اچھا، کہیئے تو......"

ہم سب نے ایک ساتھ کہا۔ امّی جان نے ہمارا شوق دیکھا تو پھر انھوں نے کہانی شروع کی۔

"کیسے نمونے کے انسان تھے وہ جن سے اللہ تعالےٰ راضی ہوا۔ اور وہ اللہ سے راضی!

"سنئے امّی جان! کیا آپ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ساتھیوں (صحابہ) کا کوئی قصّہ سنانے والی ہیں"

آج نفیسہ باجی آئی ہوئی تھیں۔ انھیں صفّو بلا کر لائی تھی۔ نفیسہ باجی نے یہ پوچھا تو امّی جان نے کہا۔" ہاں اُنھی اچھے لوگوں کا قصّہ ہے"

سنو، ایک بار پیارے صحابہؓ کو دشمنوں سے بڑی سخت لڑائی لڑنا پڑی تھی۔ دشمن بہت تھے، مسلمان کم تھے۔ پھر بھی انھوں نے لڑائی جیت لی۔ لڑائی جیت تو لی مگر ہزاروں مسلمان شہید بھی ہو گئے۔ ہزاروں زخمی ہوئے۔

لڑائی ختم ہوئی تو مسلمان شہیدوں کو دفن کرنے اور زخمیوں کو اٹھانے میں لگ گئے۔ پیارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک پیارے صحابی شہیدوں اور زخمیوں کو اُٹھاتے اُٹھاتے ایک زخمی کے پاس پہنچے۔ وہ زخمی بھی صحابی تھے۔ اور ان کے چچا زاد بھائی بھی)۔ ان کے بدن میں تیروں اور تلواروں کے بہت سے زخم تھے۔ ان زخموں سے ان کے بدن کا بہت سا خون نکل گیا تھا۔ بدن سے خون زیادہ نکل جاتا ہے تو زیادہ پیاس لگتی ہے۔ وہ پیاس کے مارے "العطش العطش" پکار رہے تھے۔

"العطش! کیا معنی؟" شوکت بھائی نے پوچھا۔

"یعنی بڑی پیاس لگی ہے، پانی پلاؤ۔" امّی جان نے معنی بتلائے اور آگے کا قصّہ سنانے لگیں۔

"بھائی نے بھائی کو پیاسا دیکھا تو کندھے سے چھاگل اتاری۔

"امّی جان! چھاگل کیا ہوتی ہے؟" رفّو نے پوچھا۔

چمڑے کی تھیلی، جس میں پانی بھر لیتے ہیں۔ اسی کو چھاگل کہتے تھے۔ اچھّا تو چھاگل اتار کر اس کا دہانہ زخمی بھائی کے منھ میں لگایا۔ زخمی بھائی نے پینے کے لیے منھ کھولا ہی تھا کہ پاس پڑے ہوئے دوسرے زخمی سپاہی نے پکارا "العَطَش العَطَش"۔

یہ آواز سنتے ہی زخمی بھائی نے کہا: "پہلے اسے جاکر پانی پلاؤ پھر مجھے۔"

"اسے کہتے ہیں ایثار۔ اتنی پیاس! جان پر بنی ہے، پانی کی چھاگل منھ سے لگی ہے مگر نہیں پیا۔ دوسرے کے لیے حکم دیا۔ یہ بات نفیسہ باجی نے ہی اور ہم سب انگلی دانتوں میں دبا کر رہ گئے۔ امّی جان کہانی سنا رہی تھیں۔
"بھائی نے زخمی بھائی کے منھ سے چھاگل ہٹائی۔ دوسرے زخمی کے اس دوڑ کر گئے۔ اس کے منھ سے چھاگل لگائی۔ اس نے منھ کھولا ہی تھا کہ ایک سرا زخمی پکارا "العَطَش! العَطَش!"
دوسرے زخمی نے اپنا منھ ہٹا لیا اور کہا۔ "پہلے جا کر اسے پانی پلاؤ پھر مجھے پلانا۔
دیکھا بیٹو! اسے کہتے ہیں ایثار! اب آگے سنو قصّہ۔ آگے کا قصّہ سن کر تم سب رونے لگوگے۔
وہ صحابی چھاگل لیے ہوئے تیسرے زخمی کے پاس دوڑے۔ وہ ذرا دور تھا۔ اس کے پاس پہنچے۔ چھاگل کا دہانہ اس کے منھ سے لگایا مگر اتنی دیر میں اس کی جان نکل چکی تھی۔
اناللہ و انا الیہ راجعون "کہہ کر پیارے صحابی دوسرے زخمی کی طرف واپس ہوئے۔ اسے پانی پلانا چاہا لیکن اتنی دیر میں وہ بے چارا بھی اللہ کو پیارا ہو چکا تھا۔ اناللہ و انا الیہ راجعون پڑھ کر اب صحابی اپنے بھائی کی طرف دوڑے۔ مگر وہاں بھائی کا سر بھی ڈھلک گیا تھا۔ صحابی نے پھر اناللہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ اُف ــــ فوہ!"
امّی جان نے افوہ سانس بھر کر کہی اور ہم سب چیخ کر رو پڑے۔ تھوڑی دیر تک ہم سب آنسو بہاتے رہے۔ پھر امّی نے سمجھایا۔
"دیکھو، ایثار اسے کہتے ہیں۔ امّی جان کی پروا نہیں کی۔

طرابلس کی فاطمہ

"سب بچّے آگئے؟" امّی جان نے پوچھا۔

"جی ہاں، سب آگئے۔ آپ ایثار والا تیسرا قصّہ سُنایئے۔"

"سنو! زیادہ دنوں کی بات نہیں ہے۔ اُس وقت کا قصّہ ہے، جب میں اتنی بڑی تھی جتنی یہ رفّو ہے۔"

ہم سب رفّو کی طرف دیکھنے لگے۔ "یعنی بس دس سال کی۔" ہم سب نے ایک ساتھ کہا۔ گلّو کچھ سوچ کر بولی۔

"امّی دان، کیا آپ بھی کبھی اِتّی بڑی تھیں۔"

"ہاں بیٹی! میں بھی اِتّی بڑی تھی۔"

امّی جان نے جواب دیا اور ہم سب ہنسنے لگے۔ گلّو ہم سب کا منہ دیکھنے لگی۔ اس کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ کبھی امّی بھی بچّہ تھیں۔ خیر، امّی جان قصّہ سنانے لگیں۔

"بھئی، یہ قصّہ ۱۹۱۲ء کا ہے۔ میں اس وقت دس سال کی تھی۔ اب دیکھو، کتنی بوڑھی ہوں۔ ستّر برس کی۔"

"ستّر برس کی!" ہم سب سوچنے لگے۔ ستّر برس کتنے دنوں کے برابر ہوئے؟ امّی جان کہہ رہی تھیں۔

"ہوا یہ کہ اُس زمانے میں اٹلی کے عیسائی بادشاہ سے اور ترکوں سے بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ یہ لڑائی طرابلس کے میدان میں ہوئی تھی۔ دیکھو، بولو نہیں۔ میں خود بتاتی ہوں۔

طرابلس مصر سے آگے ہے۔ طرابلس میں ترکوں کی حکومت تھی۔ اٹلی کے

دشاہ نے بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ چڑھائی کر دی۔

اُس وقت طرابلس کے گورنر انور پاشا تھے۔ انور پاشا تھے تو بڑے بہادر مگر ان کے
س فوج بہت تھوڑی تھی۔ انھوں نے آس پاس کے سارے مسلمانوں سے مدد مانگی
سلمانوں نے بڑھ کر مدد بھیجی۔ کسی نے روپیہ بھیجا۔ کسی نے لڑائی کا سامان۔ بہت سے لوگ
پاہی بن کر پہنچے کہ دشمنوں سے لڑیں گے۔ لڑ کر جان دیں گے۔ انہی لوگوں میں سنوسی
یلے کے بہت سے خاندان بھی تھے۔ سنوسی قبیلہ عرب کا ایک مشہور اور بہادر خاندان تھا۔

سنوسی قبیلے کے ایک بہادر آدمی تھے، ان کا نام عبداللہ تھا۔ عبداللہ صاحب
ن بیوی اور ایک بچّی فاطمہ کے ساتھ اس لڑائی میں شریک ہوئے۔ انھوں نے جا کر
ر کا سارا سامان انور بے کو دے دیا اور خود سپاہیوں میں شامل ہو گئے۔

عبداللہ صاحب کی بیوی نرس کا کام جانتی تھیں۔ وہ ترکی اسپتال میں ے
گئیں۔ فاطمہ نے کہا کہ میں لڑنے والوں کو پانی پلاؤں گی۔

یہ فاطمہ دس گیارہ برس کی خوبصورت لڑکی تھی۔ یہ بہادر تھی۔ باپ سے تلوار چلانا
ی سیکھ لیا تھا۔ وہ اپنی کمر میں ایک چھوٹی سی تلوار بھی لگائے رہتی تھی۔

طرابلس کی لڑائی کے بڑے دلچسپ حالات ہیں جو سننے اور سنانے کے لائق ہیں۔
ن سب سے زیادہ دلچسپ اور نصیحت والا قصّہ اس بچّی فاطمہ کا ہے۔ پہلے اس کا
ے چھوٹا سا قصّہ سنو۔

ایک دن گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ دن بھر ترکوں اور اٹلی والوں سے لڑائی ہوتی
ا۔ مغرب کے وقت لڑائی رُکی تو اتنا وقت نہیں تھا کہ شہیدوں اور زخمیوں کو انور پاشا
واسکتے۔

انور پاشا جتنے بڑے بہادر تھے اتنے ہی مسلمانوں کے خیر خواہ تھے۔ ان کو یہ
ل ستانے لگا کہ مسلمان شہیدوں اور زخمیوں کو اُٹھوا نہ سکے۔ انھیں رات کو

نیند نہیں آئی۔ پھر وہ کچھ سوچ کر اٹھے۔ تلوار کمر سے لگائی۔ ٹارچ ہاتھ میں لی۔ لڑائی کے میدان کی طرف چلے۔

ٹھہرو، ٹھہرو بچو! بولو نہیں۔ میں سب بتاتی ہوں۔ وہ لڑائی کے میدان میں پہنچے۔ ٹارچ کی روشنی میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ ایک جگہ انھوں نے کسی لڑکی کو دیکھا۔ لڑکی زخمیوں اور شہیدوں کے بیچ بیچ جُھکی جُھکی کچھ کر رہی تھی۔

انور پاشا اُدھر بڑھے۔ جا کر لڑکی کو پکڑا۔ لڑکی نے پلٹ کر دیکھا تو بولی "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

"اری فاطمہ تو!؟" انور پاشا ہکّا بکّا رہ گئے۔

"تجھ کو ڈر نہیں لگتا"

"اے امیر! میں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی"

"یہاں کیا کر رہی ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ تیرے والد صاحب شہید ہو چکے ہیں"

"جی ہاں، معلوم ہے۔ اللہ تعالےٰ سے وہ شہادت کی دعا کرتے تھے"

"تجھے غم نہیں؟"

"میں رونے کے بدلے اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ میرے والد صاحب شہادت کا درجہ ملا"

"تجھے یہ ڈر نہیں کہ اس وقت کوئی اٹلی کا سپاہی تجھے پکڑ لے جائے"

"یہ دیکھئے، میرے پاس میری تلوار ہے میں دشمن کے پیٹ میں بھونک دوں گی"

"اچھا یہاں کیوں آئی؟ باپ کی لاش ڈھونڈ رہی ہے"

"میں یہاں زخمیوں کو پانی پلانے آئی ہوں۔ یہ دیکھئے میری چھاگل!"

"تجھے اپنی جان کی پروا نہیں؟"

"اور آپ کو مسلمانوں کی جان کی پروا نہیں؟"

یہ سن کر انور بے رو پڑے۔ انھوں نے فاطمہ کو گود میں اٹھا لیا۔ اپنے خیمے میں آئے۔ فاطمہ رات کو انہی کے خیمے میں سوئی۔

دوسرے دن زخمیوں اور شہیدوں کو اُٹھوایا گیا۔ عبداللہ صاحب شہید ہو چکے تھے۔ انھیں شہیدوں کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

دیکھو، دیکھو صفّو! تم کچھ پوچھنا چاہتی ہو۔ میں جانتی ہوں جو تم پوچھوگی۔ جی ہاں نہ فاطمہ روئی نہ فاطمہ کی ماں۔ دونوں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ عبداللہ کو شہادت کا درجہ ملا۔ معلوم ہے۔ شہید حساب کتاب کے بغیر حشر کے دن بخش دیا جائیگا۔

ہم سب یہ قصّہ اس طرح سن رہے تھے جیسے ہم سب کے بدن کے روئیں روئیں کان ہوں، ہم سب بالکل چپ تھے۔ امّی قصّہ کہہ رہی تھیں۔

وہ پھر ایک لڑائی میں دشمنوں نے ترکی اسپتال پر گولے برسائے۔ اس میں فاطمہ کی ماں شہید ہوگئیں۔ تب بھی فاطمہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور دعا کی۔

"اے اللہ! مجھے بھی شہادت کا موقع دے۔"

یہ دعا کر کے اس نے سرخ رومال سر سے باندھا اور پھر یہ رومال اس وقت کھلا، جب وہ شہید ہوئی۔ اس کی شہادت کا قصّہ ایثار و قربانی کا سب سے بڑا قصّہ ہے اور اس میں ہمارے تمہارے لیئے بڑی نصیحتیں ہیں۔

ایک دن اٹلی والوں نے بڑے لاؤ لشکر سے حملہ کر دیا۔ انھوں نے ایک بڑا دھوکہ بھی دیا۔ ترکوں کے نماز پڑھنے کے لیے جو مسجد تھی۔ اس پر گولے برسانے لگے۔ انور پاشا نے آدھی فوج ادھر بھیجدی۔

اب اٹلی والوں نے آدھی فوج پر اپنی پوری فوج ڈھکیل دی۔ اس دن بڑا ہی گھمسان کا رن پڑا۔ دن بھر اور رات بھر لڑائی ہوتی رہی۔ اٹلی والے بڑھ بڑھ کر دھاوا بولتے رہے۔ انور بے کے سپاہی بھی جان پر کھیل کر لڑے۔ دوسرے دن دشمن پیچھے

ہٹا۔ میدان میں مرے ہوئے اور زخمی سپاہی پٹے پڑے تھے۔ اس دن فاطمہ نے زخمیوں میں گھس گھس کر پانی پلایا۔ اچانک ایک اٹلی والے سپاہی نے اسے پکڑ لیا۔ فاطمہ نے اپنی تلوار نکالی اور سپاہی کے کندھے پر تلوار پڑی، اس کو غصہ آگیا۔ اس نے بھی تلوار ماری۔ فاطمہ بچّی تو تھی ہی، وہ روک نہ سکی۔ زخمی ہو کر گری۔ سپاہی بھاگ گیا۔

فاطمہ کے کاری زخم آیا تھا۔ وہ زمین پر پڑی تھی۔ خون بہہ بہہ کر زمین کو لال کر رہا تھا۔ بہت خون نکل گیا۔ تو اسے پیاس لگی۔ اس نے اپنی چھاگل سے پانی پینا چاہا۔ ابھی اس نے پیا نہیں تھا کہ ایک طرف سے "العطش" کی آواز سنائی دی۔ فاطمہ پانی پینے سے رک گئی۔ بے چاری اٹھ تو سکتی نہ تھی۔ اب اس نے یہ کیا کہ گھسٹتی ہوئی آواز کی طرف چلی۔ العطش العطش کی آواز آئے جا رہی تھی۔ ایک ترکی سپاہی پڑا دم توڑ رہا تھا۔

فاطمہ گھسٹتی ہوئی اس کے پاس پہنچی۔ وہ ساتھ ہی چھاگل بھی گھسیٹ لے گئی۔ اس کے پاس پہنچی تو اب اس میں بھی دم نہ رہا۔ اس نے اللہ کا نام لیکر چھاگل زخمی سپاہی کے منھ میں لگا دی۔ مگر وہ بے چارا مر چکا تھا اور اسی جگہ اسی حالت میں فاطمہ کی ننھی جان بھی نکل گئی۔

انور بے کو فاطمہ کی بڑی فکر تھی۔ وہ اس کی عادت کو جان چکے تھے۔ وہ فاطمہ کو تلاش کرنے چلے۔ ترکی فوج کے بڑے بڑے افسر بھی ساتھ تھے۔ میدان میں ایک جگہ دیکھا کہ فاطمہ مردہ پڑی تھی اور حالت یہ تھی کہ جس ہاتھ میں چھاگل تھی وہ ہاتھ سپاہی کے منھ کے پاس تھا"

امّی جان یہاں تک قصّہ کہہ سکی تھیں کہ ہم سب رونے لگے۔ امّی جان بھی آنسو بہانے لگیں۔

ہم سب نے دل میں کہا کہ اب ہم بھی ایسا ہی کریں گے۔ چاہے اپنا کیسا ہی نقصان ہو، ہم دوسروں کی خدمت پہلے کریں گے۔ ہم نے امّی جان کے ساتھ یہ اقرار کیا۔ پھر اپنی اپنی چارپائی پر جا لیٹے۔

دیر تک فاطمہ کو یاد کرتے رہے۔ اس کے بعد جانے کب نیند آگئی۔